© rasailojaraid.com

فقه الطب الجدید

انسانی اعضاء کا عطیہ اور خرید و فروخت

از:(مولانا) مفتی نعمت اللہ حقانی

ذیلی عنوانات	:	نمبر شمار
تمہید (انسانی اعضاء کی پیوند کاری کی تاریخ)	:	۱
انسانی اجزاء کا عطیہ اور خرید و فروخت	:	۲
انسانی خون کا عطیہ	:	۳
انسانی جسم میں غیر مسلم کا خون داخل کرنا اور میاں بیوی کے خون کا تبادلہ نکاح پر اثر انداز ہونا	:	۴
خون کے علاوہ دیگر اجزائے انسانی کا عطیہ اور خرید و فروخت	:	۵
زندہ انسان کے کسی عضو کا استعمال ‏ ۷: انسانی اجزاء کا علیحدہ کرنا مثلہ کے مترادف عمل ہے	:	۶
انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ‏ ۹: مردہ انسان کے کسی جزء کا استعمال	:	۸
انسانی زندگی ابدی ہے، ازلی نہیں ‏ ۱۱: مسئلہ مذکورہ کے متعلق برصغیر کے دینی اداروں اور علماء کا موقف	:	۱۰
انسانی اعضاء کے عطیہ اور وصیت کے خطرناک نتائج	:	۱۲

الحمدللہ وحدہ و الصلوٰۃ و السلام علیٰ من لا نبی بعدہ، اما بعد قال تعالیٰ: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم.

(۱) تمہید (انسانی اعضاء کی پیوند کاری کی تاریخ):۔

انسان یا جانوروں کے اعضاء کی مریض کے جسم میں منتقلی کے ذریعے بیماریوں سے نجات کا خواب بہت پرانا ہے مگر جسے شرمندہ تعبیر ہونے کے لئے ہزاروں صدیاں انتظار کرنا پڑا۔ انسان نے یہ سنگ میل انیسویں اور بیسویں صدی کے درمیان طے کیا۔ پہلی مرتبہ 1900ء سے 1920ء کے درمیان ہڈیوں، قرنیے اور جلد کے ٹشوز کے کامیاب آپریشن منظر عام پر آئے۔ 1949ء میں امریکن نیوی ٹشو بینک نے ٹشو کو سٹور یعنی حنوط کرنے اور ٹرانسپلانٹ کرنے کی صلاحیت حاصل کی امریکہ میں اس وقت اعضاء یا عضلات کی سٹوریج کے لئے تین سو سے زائد بینک موجود ہیں۔ اعضاء کی منتقلی کا سفر 1950ء میں شروع ہوا۔ ڈاکٹر جورف ای میری نے بوسٹن میں پہلی گردے کی منتقلی کا کامیاب اپریشن کیا ڈاکٹر جوزف کو شعبہ طب میں ایسی ہی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں 1990ء میں نوبل انعام سے نوازا گیا 1967ء میں جنوبی افریقہ کے ایک نوجوان ہارٹ سرجن کرسٹن برناڈے گروٹے شر ہاسپٹل، کیپ ٹاؤن میں دل کی ٹرانسپلانٹیشن کر کے بین الاقوامی شہرت حاصل کی اور ہیروز کے فہرست میں شامل ہوئے۔ 1960ء کی دہائی میں برین ڈیتھ کے تعین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے میں کامیابی کے بعد اعضاء کے عطیے کے حصول میں تیزی آئی ہے برین ڈیتھ ڈیکلئیر کرنے کے لئے بنیادی معیار اور ضابطے ہارورڈ یونیورسٹی میں 1968ء اور 1969ء میں احاطہ تحریر میں لائے گئے۔ (بحوالہ شفاء نیوز انٹرنیشنل اگست 2004ء صفحہ ۱۱)

(۲) انسانی اجزاء کا عطیہ اور خرید وفروخت:۔

(انسانی خون) انسانی جسم میں از راہ علاج یا جمادات یا انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات کے اعضاء کی پیوند کاری ان امور میں سے ہے جن کے جواز میں کوئی کلام نہیں اس میں گو اختلاف ہے کہ انسان خود اپنے جسم کے کٹے ہوئے اور علیحدہ شدہ حصہ کی دوبارہ اپنے جسم میں پیوند کاری کر سکتا ہے یا نہیں؟ طرفین اس کو جائز نہیں سمجھتے اس لئے کہ جسم کا جو حصہ جسم سے کٹ گیا ہے اب اس کو دفن کیا جانا واجب ہے اس کے دوبارہ استعمال میں اس سے انحراف پایا جاتا ہے ''فاذا انفصل استحق الدفن ککله والاعادة تصرف له عن جهة الاستحقاق ''پس جب کہ کوئی جزء بدن سے جدا ہو گیا تو وہ مستحق دفن ہو گیا جیسے کل بدن اور اس جزء کو دوبارہ استعمال کرنا اس کو اس کے استحقاق سے روکنا ہے۔ امام ابی یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ انسان کا خود اپنے جزء سے انتفاع از قبیل اہانت نہیں ہے۔ ''ولا اهانة فی استعمال جزء منه '' (بدائع الصنائع ج۵ ص ۱۳۳) اپنے جزء کے استعمال میں اس کی توہین نہیں ہے لیکن اس باب میں بھی فتویٰ ابی یوسفؒ ہی کی رائے پر ہے اور عام طور پر فقہاء نے اس کو جائز ہی رکھا ہے مسلم دنیا انسانی جان کو بے حد قیمتی تصور کرتی ہے تاہم انسانی جان بچانے کے لئے اعضاء کے عطیے اور اس کی ایک انسان سے دوسرے انسان میں منتقلی پر اختلاف رائے موجود ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ، اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے بعض جید علماء میت سے کسی عضو کی منتقلی جائز نہیں سمجھتے ان کا موقف ہے کہ ''موت کے بعد انسانی اعضاء کی منتقلی کو ماہرین طب بے سود قرار دیتے ہیں'' لہٰذا جب اس کا فائدہ نہیں تو میت کو بے توقیر کرنا ٹھیک نہیں اور موت سے قبل حتیٰ کہ برین ڈیتھ ڈیکلئیر ہو جانے کے باوجود آخری سانس سے قبل بھی اعضاء نکالنا مریض کو قتل کرنے کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ پر عدم یقین کا اظہار ہے خدا تعالیٰ سانسوں پر قدرت رکھتا ہے انسان نہیں''۔ یہاں سے اعضاء کی پیوند کاری جائز سمجھنے والوں کے موقف کا ضعف بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان خود اپنا علیحدہ شدہ جزء مجبوری کی مخصوص حالت میں استعمال کر سکتا ہے مگر اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ اپنے اعضاء واجزاء کا استعمال خود کرنا تو فی الجملہ کسی نہ کسی درجہ میں مقصد خلقت کے مطابق ہے اور خود استعمال کرنے میں انسان کی توہین بھی ہے لیکن اس سے دوسروں کے اعضاء کی پیوند کاری کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ امام ابو یوسفؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ''ان استعمال جزء متصل عن غیره من بنی آدم اهانة بذالک لغیر والادمی لجمیع اجز مکرم اهـ". (بدائع الصنائع ج۵ ص ۱۳۳)

(۳) انسانی خون کا عطیہ:۔

انسانی خون یا اجزاء کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اہل علم کو یہ بتانے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ تمام انسانی اجزاء کے استعمال کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکم خواہ وہ انسان مسلم ہو یا غیر مسلم دوسری سب چیزوں کے احکام سے مختلف ہے یعنی احترام انسانیت کی وجہ سے عام حالات میں انسان کے تمام اجزاء کا استعمال شرعاً ممنوع ہے اسی بنیاد پر فقہاء نے انسانی جسم کے پاک اجزاء کا بھی (حتیٰ کہ باندی کے دودھ کا بھی) استعمال اوران کی خرید وفروخت کو ناجائز بتایا ہے فقیہ ابن ہمام جیسے محقق فرماتے ہیں ''لا یجوز بیعہ...اذااستغنی عن الرضاع...لا یجوز شراٗہ والانتفاع بہ یحرم ''(۱)(جب بچہ کا کام انسانی دودھ کے بغیر چل سکتا ہو تو یعنی مدت رضاعت کے بعد) بچہ کے لئے بھی انسانی دودھ کا پینا جائز نہیں اوراس دودھ سے اور کسی طرح کا نفع اٹھانا بھی حرام ہے اوراس کی بیع بھی جائز نہیں جب پاک اجزائے انسانی کا یہ حکم بتایا گیا ہے تو وہ اجزاء جو ناپاک ہیں مثلاً (خون) ان کے استعمال سے تو اور بھی زیادہ سختی کے ساتھ روکا جانا چاہئے پھر بظاہر اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ کسی بھی حالت میں انسانی خون کے استعمال کی اجازت نہ ہو لیکن چونکہ فقہاء متاخرین نے انسانی دودھ دوا کے طور پر استعمال کی اجازت دے دی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے عصر حاضر کے اکثر ممتاز علماء نے مثلاً مشہور فقیہ ومحقق مولانا مفتی محمد شفیع (سابق مفتی اعظم پاکستان) نے بحالت اضطرار صرف مریض کی جان بچانے کی غرض سے کچھ شرطوں کے ساتھ جن میں دو اہم شرطیں یہ ہیں کہ:(۱) اس سے خون دینے والے کی جان یا صحت کو خطرہ پیش نہ آئے۔(۲)اس سے انسانی خون کی ارزانی (بیع وشراء کا دروازہ کھل جانے) کا اندیشہ بھی نہ ہو انسانی خون بدن میں منتقل کرنے کو بھی جائز بتایا ہے مسئلہ چونکہ اہم اور تفصیل طلب ہے اس لئے یہاں حضرت کی عبارت کا ایک طویل اقتباس نقل کیا جارہا ہے۔''خون اگرچہ جزء انسانی ہے مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے اعضاء انسانی میں کانٹ، چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت نہیں پیش آتی انجکشن کے ذریعہ خون نکالنا اور دوسرے کے بدن میں ڈالنا اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی جو بدن انسانی سے بغیر کانٹ چھانٹ کے نکلتا اور دوسرے انسان کا جزو بنتا ہے بوجہ ضرورت اس کے استعمال کی اجازت بچوں کے لئے دی گئی ہے اور علاج کے طور پر بڑوں کے لئے بھی جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔''ولا بأس بأن یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء ''اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید از قیاس نہیں کیونکہ......جزء انسانی ہونے میں مشترک ہے فرق صرف یہ ہے کہ دودھ پاک اور خون ناپاک۔تو حرمت کی پہلی وجہ یعنی جزء انسانی ہو تو یہاں وجہ ممانعت (ضرورۃ بلابرہان) نہ رہی صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا علاج ودوا کے معاملے میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی اس لئے انسانی خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کی شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں مگر علاج و دواء کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کو خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کے لئے مؤثر یا موجود نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو(۲) کفایت المفتی میں ہے کہ انسان کا خون علاج کی غرض سے دوسرے انسان کی جسم میں داخل کرنا جب کہ اس کی شفایابی اس پر بقول طبیب حاذق مسلم منحصر ہوگئی ہو مباح ہے یہ شبہ کہ انسان کے اجزاء کا استعمال ناجائز ہے اس لئے وارد نہ ہونا چاہئے کہ استعمال کی جو صورت مستلزم اہانت ہو وہ ناجائز ہے اور جس میں اہانت نہ ہو تو بضرورت وہ استعمال ناجائز نہیں۔جیسے جناب رسول ﷺ کے موئے مبارک پانی میں دھو کردہ پانی مریض پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھڑکایا جاتا ہے یا پلایا جاتا ہے۔''کما فی الھندیۃ: یجوز للعلیل شرب الدم البول واکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم (حاذق) ان شفاہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ'' (عالمگیری ص۱۴۳ تا ۱۴۴ ج۹) کفایت المفتی اور سابقہ فقہی روایات کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ انسانی خون کے استعمال کی اجازت کا دارومدار دو امر پر ہے۔ (۱) ضرورت شدیدہ (۲) اہانت سے خالی ہونا۔ اور انسانی خون کا استعمال ظاہر ہے کہ اہانت سے خالی ہے کیونکہ انسانی دودھ کے استعمال کی طرح انسانی خون کے استعمال کی صورت میں بھی انسانی صورت کی تشویہ و تقبیح، جو مستلزم اہانت ہے نہ آتی ہے بلکہ انسانی صورت کی تشویہ و تقبیح کے بغیر انسانی بدن سے حاصل کیا جاتا ہے بخلاف دوسرے انسانی اجزاء کے ان استعمال کی صورت میں انسانی صورت کی تشویہ و تقبیح ضرور لازم آتی ہے لہٰذا دوسرے انسانی اجزاء مثلاً آنکھ وغیرہ کا استعمال اہانت سے خالی نہ ہوتا ہے اس لئے فقہاء کرام نے اس استعمال کو اضطراری حالت میں بھی ممنوع ٹھہرایا ہے۔

(۴) انسانی جسم میں غیر مسلم کا خون داخل کرنا اور میاں بیوی کے خون کا تبادلہ نکاح پر اثر انداز ہونا:۔

تفصیلات مذکورہ سے واضح ہوا کہ جب کوئی حلال دوا موثر یا میسر نہ ہو تو صرف جان بچانے کے لئے حرام شئی (بشمول انسانی خون) کی صرف اتنی مقدار کا دوا استعمال کرنا جائز ہے جس سے عادۃً جان کا بچنا یقینی ہو۔''بأن ما ابیح للضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ (الاشباہ والنظائر) نفس جواز میں تو مسلم اور غیر مسلم دونوں کا حکم یکساں ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ کافر یا فاسق و فاجر انسان کے خون میں جو اثرات خبیثہ ہیں ان کے منتقل ہونے کا اور اخلاق پر اثر انداز ہونے کا قوی خطرہ ہے اسی لئے صلحاء امت نے فاسق و فاجر عورت کا دودھ پلانا بھی پسند نہ کیا بناء علیہ کافر اور فاسق و فاجر انسان کے خون سے تا بمقدور اجتناب بہتر ہے، رہا یہ مسئلہ کہ اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑھتا ہے یا نہیں؟ تو چونکہ شریعت اسلامیہ نے محرمیت کو نسب، مصاہرت، رضاعت میں بھی مدت رضاعت کے ساتھ جواڑھائی سال ہے لہٰذا زوجین کے درمیان خون کے تبادلہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے نکاح بدستور قائم رہتا ہے۔''کماھو مصرح فی کتب الفقہ کفایت المفتی وتنشیط الاذھان فی الترقیع باعضاء الانسان''

(۵) خون کے علاوہ دیگر اجزائے انسانی کا عطیہ اور خرید و فروخت:۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے اس پر غور کرنا آسان ہوگیا کہ انسانی خون کے علاوہ دوسرے انسانی اجزاء کا استعمال (کہ جنہیں استعمال کرنا کانٹ، چھانٹ یعنی عمل جراحی کے بغیر ممکن نہیں) جائز ہے یا نہیں؟ یہاں صرف دو ہی احتمال ہیں (یا ہو سکتے ہیں) ایک یہ کہ کسی زندہ انسان کے اجزاء یا ایک جزء دوسرے انسان کے جسم میں استعمال کئے جائیں دوسرے یہ کہ مردہ کا کوئی عضو یا چند اعضاء کا استعمال کیا جائے

(۶) زندہ انسان کے کسی عضو کا استعمال:۔

پہلی صورت یعنی زندہ انسان کے جزء یا اجزاء کا استعمال خواہ مسلمان کے ہوں یا غیر مسلم کے اگر اس کے لئے ضرر کا موجب ہو تو ممنوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونا ظاہر ہی ہے کیونکہ ''الضرر لایزال بالضرر '' کسی انسان کو ضرر پہنچا کر دوسرے کا ضرر دور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور ''الضرر لایزال بمثله'' کسی ایک ضرر کا ازالہ اس طرح نہ کیا جائے گا کہ اسی درجہ کا دوسرا ضرر پیدا ہو جائے گا۔ (الاشباہ ص ۱۲۳،۱۲۴) جیسے مسلم بلکہ بدیہی قواعد سے ''کما فی الردقوله: والآدمی مکرم شرعاً وان کان کافراً فایراد العقد علیه وابتذاله والحاقه بالجمادات اذلال ای هو غیر جائز وبعضه فی حمکه'' (ص ۱۱۷ ج ۴) ترجمہ: چونکہ انسان شرعاً مکرم ہے اگرچہ انسان کافر ہی کیوں نہ ہو لہٰذا اس کا خرید و فروخت اور ابتذال اور اس کے ساتھ جمادات جیسا معاملہ کرنا انسان کا اذلال ہے۔ لہٰذا انسان اور اس کے اعضاء کا خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ نیز مساوات بنی آدم کے تقاضا سے بھی اس کی گنجائش نہیں نکلتی مزید یہ کہ ان صحیح اور صریح احادیث نبوی کا بھی تقاضہ یہی ہے جن میں انسانی بال کے استعمال تک ممانعت (بلکہ استعمال کرنے والے پر لعنت) فرمائی گئی ہے۔

''لعن اللہ الواصلة والمستوصلة الخ'' (صحیح مسلم ج ۴ صفحہ ۲۰۴)

اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں صرف تزئین کی غرض سے اجزاء انسانی کے استعمال کی ممانعت کی گئی ہے تمام فقہاء و شراح حدیث کی تشریحات کو نظر انداز کر کے ہی ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ تمام متقدمین و متاخرین شراح و فقہاء نے دیگر دلائل کے ساتھ اس سے بھی اجزاء انسانی کے مطلق ممانعت و حرمت سمجھی یا اخذ کی ہے اس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شراح حدیث نے تمام اجزائے انسانی سے انتفاع و استعمال کی حرمت کا متفق علیہ ہونا ذکر کیا ہے۔ انسانی اعضاء و اجزاء بشمول بال کے احترام اور ان کے استعمال میں اہانت کا پہلو ہونے کا یہی اثر ہے کہ انسانی تمام اجزاء بشمول بال کے دفن کر دینے کا حکم ہے اور اس پر سارے ممالک کے فقہاء متفق نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ نووی وغیرہ کے حدیث زیر بحث کلام سے مستفاد ہوتا ہے اگر یہ بھی پیش نظر رہے کہ صحیح مسلم ہی میں اس حدیث ''لعن اللہ الواصلة الخ'' کے پس منظر کے طور پر واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک نئی نویلی دلہن کے بیماری کی وجہ سے بال جھڑ گئے تھے اور اس کی رخصتی ہونے والی تھی اس موقع پر اس کے والدہ نے نبی کریم ﷺ سے بالوں کے ملانے کا حکم دریافت کیا تھا اس پر آنحضرت ﷺ نے اس عمل کا قابل لعنت ہونا، بالفاظ مذکورہ بیان فرمایا تھا تو اس عمل کی سنگینی اور کسی بھی صورت میں اس کے جائز نہ ہونے کی طرف ذہن بآسانی منتقل ہو جائے کیونکہ تمام شادی شدہ عورتوں بالخصوص نئی دلہن کی تزئین شرعاً بھی مطلوب ہے اور عورتوں کے بال ان کی زینت کا بنیادی عنصر ہے (اسی لئے عورتوں کے لئے سر کے بال کٹانا یا منڈوانا حرام ہیں) مگر اس اہم کام کے لئے بھی انسانی بال کے (دوسرے) کے لئے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی اور ممانعت کے لئے عام الفاظ استعمال کرنے کے بجائے لفظ ''لعنت'' کا اختیار فرمانا (جس میں آخری درجہ کے قابل نفرت کام پر وعید ہوتی ہے) خود اس کی سنگینی کا پتہ دے رہا ہے۔ اگر ممانعت عام نہ ہوتی بلکہ صرف تزئین جیسے اسباب ہی میں منحصر ہوتی تو ایسی شدید وعید کی ضرورت نہ تھی اور ایک سب سے قوی دلیل اجزائے انسانی کے مطلق استعمال کی حرمت پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔ جس کا ذکر نوویؒ نے بھی کیا ہے۔ جس کے بعد پھر کسی دلیل کی ضرروت نہیں رہ جاتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۷) انسانی اجزاء کا علیحدہ کرنا مثلہ کے مترادف عمل ہے:۔

انسانی اجزاء واعضاء کے کسی دوسرے کے استعمال میں لانے کی ممانعت کی ایک اہم وجہ اجزاء انسانی کی قطع وبرید اوران کا خود اس انسان کی ضرورت کے علاوہ کسی اور غرض سے علیحدہ کرنا شرعاً مثلہ کے مترادف عمل ہے اس لئے ظاہر ہے کہ انسانی عضو کو دوسرے کے جسم میں جسم لگانا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ پہلے کسی انسان کے جسم سے علیحدہ کیا جائے مثلہ کی ممانعت متفق علیہ ہے اور یہ ممانعت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مثلاً بخاری شریف میں ہے "قال قتادة بلغنا ان النبی علیہ السلام بعد ذالک (وقعة عكل وعرينة) كان يحث على الصدقة وينهى عن المثلة "(۳) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ صدقہ کی ترغیب دیتے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے مثلہ پہلے مشروع تھا اب منسوخ ہوگیا جیسا کہ شرح مسلم میں ہے۔"المثلہ وھو منسوخ ص ۵۷. صحیح مسلم کی حدیث "لا تمثلو" سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

(۸) انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں:۔

رسالہ "انسانی اعضاء کی پیوند کاری" میں ہے کہ انسان اپنے اعضاء واجزاء کا مالک نہیں بلکہ یہ خالق کائنات کی طرف سے اس کے پاس امانت ہے جن کے استعمال کی اجازت انسان کو دی گئی ہے لہٰذا انسان اپنے اعضاء واجزاء کا عطیہ اور ہبہ کی وصیت بھی نہیں کرسکتا ہے اس لئے کہ ہبہ، عطیہ اور وصیت کی صحت کے لئے موہوب اور موصیٰ بہ کا مملوک ہونا ضروری ہے۔ ہندیہ میں ہے "قوله روأماما يرجع الىٰ الواهب فهو ان يكون الواهب من اهل الهبة وكونه من اهلها ان يكون حراً عاقلا بالغاً مالكاً للموهوب الخ. (ص ۳۷۴) یعنی صحت ہبہ کے لئے موہوب کا واہب کے لئے مملوک ہونا ضروری ہے اور ردالمختار میں ہے: "قوله، الااذااضافها بأن قال اذا اعتقت فثلث مالي وصية لفلان الىٰ قوله حتىٰ لوعتق قبل الموت باداء بدل الكتابة اوغيره ثم مات كان للموصى له ثلث ماله وان لم يعتق حتىٰ مات عن وفاء بطلت الوصية لان الملك له حقيقة لم يوجداهـ " ص ۴۴۰، ج ۵) اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ صحت وصیت کے لئے موصیٰ بہ کا مملوک ہونا ضروری ہے۔ اور جس طرح کے غیر مفصول عضو انسان کے استعمال کی اجازت نہیں ہے اسی طرح عضو مفصول ومقطوع اگر میسر ہوجائے کہ استعمال کی اجازت بھی نہیں، شرح السیر الکبیر میں ہے۔ مزید برآں کہ جن فقہاء نے حالت اضطرار میں اشیاء محرمہ کا استعمال جائز بتایا ہے انہوں نے یہ بھی بحالت اضطرار انسانی جسم اور اعضاء کے کھانے واستعمال کو حرام بتایا ہے چاہے کوئی شخص اپنے کسی عضو کے استعمال کرنے کی اجازت دیدے: "وان قال له آخر قطع يدى وكلها لا يحل له لان لحم الانسان لا يباح فى الاضطرار لكراهة .فى الاشباه لا ياكل المضطر طعام مضطر اخر ولا شيئاًمن بدنه" (الاشباہ والنظائر ردالمختار ج ۵ صفحہ ۲۳۸) اس بناء پر مکروہ کو اکراہ تام کی صورت میں بھی اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھی کسی دوسرے شخص کا عضو کاٹ ڈالے۔ چاہے وہ شخص اس کی اجازت ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں نہ دیدے۔"وفی البدائع وکذا قطع عضو من اعضائه ولو اذن له المکره علیه فقال للمکروه افعل لا یباح له ان یفعل لان هذامما لا یباح بالاحة اهـ(بدائع الصنائع ج ۷ صفحه ۱۷۷ اوجز المسالک)

(۹) مردہ انسان کے کسی جزء کا استعمال:۔

تمہید:اسلام نے انسانی لاش کی حرمت کا جوحکم دیا ہے وہ دراصل انسانی جان کی حرمت کا ایک لازمہ ہے ایک دفعہ اگر انسانی لاش کا احترام ختم ہوجائے تو بات صرف اس حد تک محدود نہ رہے گی کہ مردہ انسانوں کے کارآمد اجزاء زندہ انسانوں کے علاج میں استعمال کئے جانے لگیں بلکہ رفتہ رفتہ انسانی جسم کی چربی سے صابن بننے لگیں گے جیسا کہ فی الواقع جنگ عظیم دوم میں جرمنوں نے بنائے تھے انسانی کھال اتارکر اس کی دباغت دینے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس کے جوتے یا سوٹ کیس منی پرس بنائے جاسکیں۔چنانچہ تجربہ بھی چند سال قبل مدراس کی ایک فیکٹری کرچکی ہے انسان کی ہڈیوں،آنتوں اور دوسری چیزوں کو استعمال کرنے کی بھی فکر کی جائے گی حتیٰ کہ اس کے بعد انسان پھر اس دور وحشت کی طرف پلٹ جائے گا۔جب آدمی آدمی کا گوشت کھاتا تھا اگر ایک دفعہ مردہ انسان کے اعضاء نکال کر علاج میں استعمال کرنا جائز قرار دیا جائے تو پھر کسی جگہ حد بندی کر کے آپ اسی جسم کے دوسرے بیدا استعمالات کو روک سکیں گے اور کسی منطق سے اس بندش کو معقول ثابت کرسکیں گے(ماہ سعادت ص۷۷،۷۸)زندہ انسان کے کسی عضو کے استعمال کی گنجائش نہ ہونا تو مذکورہ بالا عبارت اور اصول کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے اب مردہ انسان کے کسی عضو کے استعمال کا حکم بیان کیا جاتا ہے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ معلوم کرلینا آسان ہے اس طور پر کہ احترام انسانیت کا اصول زندہ ومردہ دونوں کے بارے میں یکساں ہیں۔جو متعدد احادیث سے بھی مستفاد ہوتا ہے مثلاً:(۱) "اذی المؤمن فی موته کاذاه فی حیاته"(ابن ابی شیبه) مؤمن کے مرنے کے بعد اذیت پہنچانا گناہ اور شرعاً جرم ہونے کے لحاظ سے ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں پہنچانا۔(۲) "کسر عظم المیت ککسره حیا"(ابوداود) موطا امام مالک ومشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد وابن ماجہ جرم وگناہ میں مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے شرعاً کسی زندہ انسان کی ہڈی توڑنا۔چنانچہ علماء امت نے احادیث کے علاوہ اس مفہوم کی دیگر احادیث سے یہی سمجھا ہے مثلاً امام طحاویؒ نے مشکل الاثار میں فرمایا ہے"حاصله ان عظم المیت له حرمةمثل حرمة عظم الحی فکان کاسره فی انتها الحرمة ککاسر عظم الحی "میت کی ہڈیوں وغیرہ کا احترام ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کا اس لئے کہ مردہ انسان کی ہڈی توڑنے والا ایسا ہی مجرم ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی توڑنے والا(۳) مشہور مالکی فقیہ علامہ باجی لکھتے ہیں:"یرید ان له من الحرمةفی حال موته مثل ما له منها حال حیاة وان کسر عظامه فی حال موته یحرم کما یحرم کسرها حال حیاته "مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسانی اعضاء کی شکست وریخت کا وہی حکم ہے جو زندگی میں تھا۔"وفی ردالمحتار بأن المرادتکریم صورته وخلقة ولذالمریجز کسر عظام میت کافر ولیس ذالک سحل بیع والشراد ویل محله النفس الحیوانیه اهـ"(ردالمختار ج۴ صفحہ ۱۱۷)(۴) علامہ زرقانیؒ شارح موطا فرماتے ہیں:"الاتفاق علیٰ فعل ذالک فی الحیاة والمماة "زندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مردہ دونوں کی حرمت یعنی اعضاء کی شکست وریخت کی حرمت پر اور ان کا احترام ملحوظ رکھنے پر پوری امت کا اتفاق ہے(۵) انسانی اجزاء کا استعمال ایک قسم انتفاع باجزآء الادمی ہے اور آدمی کے جز سے انتفاع لینا یا فروخت کرنا فقہی نقطہ نظر سے درست نہیں "کما فی البحر وشعراہ الانسان والانتفاع بہ ای لم یجز بیعہ والانتفاع بہ لان الادمی مکرم غیر مبتذل فلا یجوزان یکون شئی من اجزائہ مھانا مبتذلا "(البحر الرائق ۸۱) وکما فی المبسوط: ان شعر الادمی لا ینتفع بہ اکراما للانسان قیل الانتفاع باجزاء الادمی لم یجز للنجاسۃ وقیل للکرامۃ وھو الصحیح (المبسوط ۱۵،۱۲۵)ان نصوص و اقوال سے انسانی اعضاء کی قطع وبرید اور کسروانکسار کی ممانعت مطلقاً ثابت ہوتی ہے چاہے اس عمل کے پیچھے کوئی بھی جذبہ یا مصلحت کارفرما ہو(العبرۃ لعموم المعانی) کا بھی یہی تقاضہ ہے۔ایک قابل لحاظ امر یہ بھی ہے کہ فقہاء کے یہاں ایک مسلم اصل یہ ہے کہ حرمت و حلت دونوں کا امکان جس مسئلہ میں ہو وہاں حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔"کمافی القواعد اواجتمع یحرم مبیح الاغلب المحرم والقواعد الفقیہ (۲۷۶،۲۷۶) اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نے "اوجز المسالک" میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۱۰) انسانی زندگی ابدی ہے' ازلی نہیں:۔

امام غزالیؒ نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ انسان کی زندگی ازلی نہیں لیکن ابدی ہے جب ایک دفعہ پیدا ہو جائے پھر فنا نہیں ہوتی ہر انسان تین مرحلے طے کرتا ہے۔اول مرحلہ ماں محترمہ کے پیٹ میں، دوسرا مرحلہ دنیا میں اور تیسرا مرحلہ عالم برزخ میں یعنی آخری مقام حشر ونشر۔ جب یہ بات طے ہوئی کہ مرنے کے بعد بھی زندگی کا سلسلہ تو باقی رہتا ہے مگر اس کی نوعیت بدل جاتی ہے تو اب اس پر غور کرنا چاہیے کہ کیا آدمی کو دیکھنے کی ضرورت صرف اسی دنیا میں ہے؟ یا کیا مرنے کے بعد میں اسے دیکھنے کی ضرورت نہیں معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی اس کا جواب یہی دے گا کہ اگر مرنے کے بعد کسی نوعیت کی زندگی ہے تو جس طرح زندگی کے اور لوازمات کی ضرورت ہے اسی طرح بینائی کی بھی ضرورت ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا عطیہ دینے یا انسانی بدن کے دیگر اجزاء کی انتقال کا وصیت کرنے کی سوچ کا جواز ایک غیر اسلامی ذہن کی پیداوار ہے۔ بلکہ حیات بعد الوفات کے انکار پر مبنی ہونے کا خطرہ ہے اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کی زندگی کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ زندگی کا ایک مرحلہ طے ہونے کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے مرنے کے بعد آدمی زندہ ہے مگر اس کی زندگی کے آثار اس جہاں میں ظاہر نہیں ہوتے زندگی کا تیسرا مرحلہ حشر کے بعد شروع ہوگا اور یہ دائمی اور ابدی زندگی ہوگی۔

(۱۱) مسئلہ مذکورہ کے متعلق برصغیر کے دینی اداروں اور علماء کا موقف:۔ مذکورہ بالا بحث وتفصیل کے بعد اس نتیجہ تک پہنچنا مشکل نہیں رہ جاتا کہ انسان کے جسم میں دوسرے انسان کے کسی جزء یا عضو کا نکالنا درست نہیں۔اور اس پر برصغیر کے ممتاز اور قابل ذکر تقریباً تمام علماء فقہاء کا اتفاق نظر آتا ہے اس حقیقت کا اس جائزہ سے بھی پتہ چلتا ہے جو رسالہ "بحث ونظر" کے شمارہ ۹ جنوری تا مارچ 1989ء میں شائع شدہ ایک مضمون میں ایک نوجوان فاضل مولوی عبید اللہ بستوی سلمہ (مفتی جامعہ اسلامیہ ہتھورا باندہ) نے لیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام اور انسانی حقوق

از: مفتی احتشام الحق آسیا آبادی

جامعہ رشیدیہ' آسیا آباد' تربت مکران

نمبر شمار	: ذیلی عنوانات	نمبر شمار	: ذیلی عنوانات
۱	:حقوق انسانی کی تاریخ اور ارتقاء	۲	: اسلام کا جامع تصورِ انسانی حقوق
۳	:انسانی عزت ووقار کے تحفظ کا حق	۴	: انسانی جان کے تحفظ کا حق
۵	:انسانوں کی نجی زندگی میں عدم مداخلت کا حق	۶	: صفائی پیش کرنے کا حق اور قانونی چارہ جوئی کا اختیار
۷	:آزادی رائے کا حق	۸	: سماجی ومعاشرتی حقوق
۹	:سیاسی حقوق	۱۰	: بامقصد اور عمومی تعلیم کا حق
۱۱	:سیاسی سربراہ مقرر کرنے کا حق	۱۲	: یکساں انصاف کے حصول کا حق
۱۳	:اسلام میں معاشی حقوق		

آج کی دنیا بار بار امن وامان، سکون وسلامتی اور حقوقِ انسانی کا نام لینے کے باوجود ظلم وزیادتی اور بدامنی میں جس بری طرح پھنسی ہوئی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے' آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں قتل وخونریزی سے انسانیت جس طرح کانپ اٹھی ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ کاش کہ ارباب اقتدار اس کے اصل سبب کا کھوج لگاتے اور اسلام کے نظامِ امن وسلامتی کا بغور مطالعہ کرتے' تو نظام امن و سلامتی کے صحیح خدوخال سامنے آجاتے اور حقوق انسانی کا گھمبیر مسئلہ حل ہوکر دنیا کی بہت ساری گتھیاں سلجھ جاتیں اور آج دنیا واویلا کرنے کے بجائے سکون کی زندگی گزارنے میں کامیاب ہوجاتی۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ جس وقت اسلام ایک آئین، ایک مکمل ضابطہ حیات کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت پوری دنیا بربادی کے ایک انتہائی سرحد کو عبور کرچکا تھا۔ جہاں انسان اپنی انسانیت کھوچکا تھا اور امن وامان اور ایک دوسرے کے حقوق دینے دلانے کا نام بھی حرف غلط کی طرح مٹ چکا تھا۔ رحمت عالم ﷺ نے اس نازک ترین موقع پر انسانوں کی جس طرح رہنمائی کی اور انسانیت کے تنِ مردہ میں جس خوبی کے ساتھ جان ڈال دی وہ اپنی مثال آپ ہے آپ نے امن وآمان اور حقوق انسانی کی بحالی کے لئے جزوی اصلاحات پر اکتفاء نہ کیا بلکہ حقوق انسانی کا عالمی منشور روشناس کرایا' جس کی ایک جامع ترین شکل حجۃ الوداع کے خطبے کی صورت میں آج تک دنیا کے سامنے ہے حقوق انسانی کی پامالی کہیں یا امن وامان کی بدحالی...... اگر آپ آج تاریخ عالم کو سامنے رکھ کر غور کریں گے تو اس کا بنیادی سبب یہی نظر آئے گا کہ جب لوگ دوسروں کو وہ حق دینے کے لئے تیار

© rasailojaraid.com